Fikr-o-Nasar (Islamabad) 4:10 (1967)

اُصولِ فقہ اور امام شافعیؒ

(مولانا احمد حسن)

(۲)

امام شافعی خبر الواحد کی شد و مد سے حمایت ضرور کرتے ہیں، لیکن وہ اس میں آزادی کے قائل نہیں ہیں۔ اصولِ فقہ میں جیسے اُنھوں نے قیاس کے اُصول بنائے اور ان کو آزاد نہیں چھوڑا۔ اسی طرح خبر الواحد کے لئے بھی حد بندیاں کیں، اور متعدد اُصول وضع کئے (۱)۔ خبر الواحد کا اُس دَور میں کیوں کہ اتنا رواج نہیں تھا جتنا بعد میں ہوا، اس لئے اس میں احتیاط ان کے نزدیک نہایت اہم تھی۔ اس بارے میں انھوں نے جو حدود مقرر کئے، اور جو اصول بنائے ان میں سے بعض اہم یہاں بیان کئے جاتے ہیں۔

متن سے زیادہ سند پر اُنھوں نے زور دیا۔ خبر الواحد کی سَند ان کے نزدیک متصل ہونا ضروری تھی، جو نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم تک پہونچتی ہو۔ اسی لئے وہ منقطع احادیث کو قبول نہیں کرتے۔ مراسیل میں بھی کبار تابعین کے مراسیل کے علاوہ دوسروں کی مرسل روایتیں نہیں مانتے۔ ان سے پہلے چوں کہ سَند پر زیادہ زور نہیں تھا، اور اہلِ عراق و اہلِ مدینہ کی روایتیں زیادہ تر مرسل و منقطع تھیں، اس لئے بہت سی روایتوں کو اُنھوں نے تسلیم نہیں کیا۔ تاہم منقطع و مرسل روایتوں سے مفر ممکن نہ تھا اس لئے انھوں نے اس قسم کی روایتوں کے لئے بھی کچھ اصول وضع کئے، جن کی تفصیل آگے آئے گی۔ راوی کے لئے بھی اُنھوں نے کچھ شرائط مقرر کئے، مثلاً وہ ثقہ ہو، روایت حدیث میں راست گوئی کے لئے مشہور ہو۔ جو حدیث بیان کرے، اس کو سمجھتا ہو۔ لفظوں کے اُلٹ پھیر سے جو معنی میں تبدیلی ہو سکتی ہے، اس سے بھی واقف ہو۔ روایت باللفظ بیان کرتا ہو، صرف مفہوم روایت نہ کرتا ہو۔ روایت باللفظ کی شرط انھوں نے اسی لئے لگائی تاکہ روایت بالمعنی کی صورت میں راوی غیر شعوری طور پر حلال کو حرام اور حرام کو حلال نہ بنا دے۔ راوی حدیث کو خواہ حفظ سے بیان کرے یا کتاب سے دونوں صورتوں میں اس کو حدیث یاد ہونا چاہیئے۔ اگر دوسرے حفاظ حدیث بھی اس روایت میں شریک

ہوں، تو اس کی روایت ان کی روایت کے موافق ہونا چاہیئے۔ راوی مدلّس نہ ہو کہ جس شخص سے اس کی ملاقات ہوئی ہو لیکن اُس سے حدیث نہ سُنی ہو، وہ اس کو بیان کرے۔ اس طرح وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسی حدیث بھی بیان کر سکتا ہے جس کے خلاف ثقات آپؐ سے روایت کرتے ہیں۔ اسی قسم کے شرائط کے ساتھ وہ خبر الواحد (خبر الخاصۃ) کی روایت کی اجازت دیتے ہیں (۲)۔ یہ بات واضح رہے کہ امام شافعی خبر الواحد کو اس روایت کے برابر نہیں سمجھتے جس پر اجماع ہو، اس کا سبب وہ یہ بیان کرتے ہیں کہ خبر الواحد کی روایت میں (ان جملہ شرائط پورے ہونے کے باوجود) غلطی بھی ہو سکتی ہے۔ اس لئے صرف ظاہراً اس کو صحیح سمجھتے ہیں۔ لیکن مجتمع علیہ روایت پر ظاہراً و باطناً صحت کا حکم لگاتے ہیں (۳)۔

امام شافعی کے زمانہ میں خوارج اور معتزلہ (اہل الکلام) نے حدیث پر اس لئے اعتراضات کئے کہ اس میں تضاد بہت پایا جاتا تھا (۴)۔ لیکن امام شافعی کے نزدیک احادیث میں تضاد کوئی ایسی علت نہ تھا جس کی بنا پر وہ حدیث کو ساقط کر دیتے۔ انھوں نے اپنی کتاب "الرسالہ" میں اس قسم کے کئی باب قائم کئے ہیں جن میں متضاد حدیثوں میں موافقت پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ ان میں سے بعض کی مختلف تعبیرات بیان کی ہیں، بعض کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مختلف احوال پر محمول کیا ہے، اور بعض کو منسوخ مانا ہے۔ مثلاً ربا فضل اور ربا نسیہ کی احادیث کے تضاد کو وہ اس طرح رفع کرتے ہیں کہ ممکن ہے حضرت اسامہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مختلف جنسوں کے تبادلہ کے بارے میں دریافت کیا ہو جس کا جواب آپؐ نے یہ دیا کہ انما الربا فی النسیئۃ یا انہوں نے پہلے کوئی آپؐ سے سوال کیا ہو جس کا جواب آپؐ نے یہ دیا۔ انھوں نے جواب تو نقل کر دیا اور سوال یاد نہ رہا یا اس میں انہیں شک تھا۔ اس کے بعد وہ کہتے ہیں کہ ربا فضل والی حدیث میں ایسی کوئی چیز نہیں ہے جس سے حضرت اسامہ کی حدیث کی نفی ہوتی ہے، اس لئے یہ دونوں ایک دوسرے کے موافق ہیں (۵)۔ نماز میں پڑھی جانے والی مختلف دعاؤں کے بارے میں ان کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ اگر متعدد روایات سے ایک ہی مفہوم نکلتا ہو، چاہے الفاظ مختلف ہوں۔ مثلاً تشہد کی مختلف روایتوں میں سے وہ اس روایت کو اختیار کرتے ہیں جو حضرت عمرؓ نے منبر پر بیٹھ کر صحابہ کو سکھائی تھی۔ دوسری روایات کے بارے میں وہ کہتے ہیں کہ ان سب کے الفاظ سے خدا کی عظمت و کبریائی ظاہر ہوتی ہے، اس لئے ان میں سے کسی کو بھی اختیار کیا جا سکتا ہے۔ اس سلسلہ میں وہ کسی تابعی کا قول نقل کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت سے صحابہ سے ملا، ان میں سے مختلف لوگوں کی دعاؤں کا

مفہوم تو ایک تھا، لیکن الفاظ مختلف تھے۔ میں نے ایک صحابی سے اس کا ذکر کیا۔ انہوں نے جواب دیا: لاباس بہ مالم یحل معنی، جب تک معنی نہ بدلیں اس میں کوئی حرج نہیں ہے (۶)۔

ایک ہی مفہوم کی مختلف روایتوں میں سے کسی ایک کے انتخاب کے بارے میں امام شافعی نے بہت سے اصول وضع کئے ہیں۔ ایسی روایتوں میں سے وہ اس روایت کو ترجیح دیتے ہیں جو قرآن کے موافق ہو، قرآن کے ساتھ موافقت ان کی نظر میں حدیث کی صحت کی دلیل ہے۔ اگر یہ شرط بھی نہ پائی جائے تو پھر وہ اس روایت کو ترجیح دیتے ہیں جس کی سند میں کوئی مشہور محدث راوی ہوں۔ یا راوی حفظ میں معروف ہوں۔ اگر یہ بات بھی موجود نہ ہو تو وہ اس روایت کا انتخاب کرتے ہیں جو دو یا اس سے زیادہ سندوں سے مروی ہو۔ یا پھر اس کو قبول کرتے ہیں جو قرآنی تعلیمات کی روح یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معروف سنت کے موافق ہو۔ یہ سب شرائط بھی نہ پائے جاتے ہوں تو وہ اس روایت کو ترجیح دیتے ہیں جس کو عام اہل علم جانتے ہوں یا جو قرین قیاس ہو۔ آخر میں ان کے نزدیک وہ حدیث قابل قبول ہے جس پر اکثر صحابہ کا عمل ہو (۷)۔

امام شافعی کا خیال ہے کہ کوئی صحیح حدیث قرآن کے خلاف نہیں ہو سکتی۔ ان کے مخالفین ان کے سامنے ایسی متعدد احادیث پیش کرتے ہیں جو بظاہر قرآن کے خلاف ہیں۔ امام شافعی تفصیل سے ان کی قرآن کے ساتھ موافقت بتلا کر یہ کہتے ہیں کہ یہ قرآنی تعلیمات کی وضاحت کرتی ہیں (۸)۔ امام ابو یوسف حدیث کی صحت کے لئے قرآن کے ساتھ اس کی موافقت ضروری سمجھتے ہیں۔ اس سلسلہ میں وہ ایک حدیث بھی پیش کرتے ہیں، جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اصول کی وضاحت فرمائی ہے (۹)۔ امام شافعی ان کے اس اصول سے اختلاف کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس سے بہت سے ایسے مسائل کی تردید ہوتی ہے جن کو ابو یوسف نے خود بھی تسلیم کیا ہے۔ مثلاً مسح علی الخفین کی اباحت، اپنی بیوی کی پھوپھی کے ساتھ (اس کی زندگی میں) نکاح کی حرمت، اور پھاڑنے والے جانوروں کے گوشت کی حرمت کو ابو یوسف بھی تسلیم کرتے ہیں۔ حالاں کہ یہ احکام (امام شافعی کے نزدیک) قرآن کے خلاف ہیں (۱۰)۔ ہمارا خیال ہے کہ مذکورہ بالا اور دیگر اس قسم کے مسائل جو سنت سے ثابت ہیں، لیکن قرآن کی کسی آیت کے موافق نہیں ہیں، وہ اس لئے قرآن کے خلاف نہیں کہے جا سکتے وہ یا تو قرآنی تعلیمات کی روح اور منشار کے مطابق ہیں، یا پھر قرآن نے احکام کے سلسلہ میں جو بنیادی اصول اور نقطۂ نظر پیش کیا ہے، اس کے موافق ہیں۔ اس لئے امام شافعی کا یہ اعتراض صحیح معلوم نہیں ہوتا۔

منقطع و مرسل احادیث کے لئے بھی امام شافعی نے بہت سے اصول بتاتے ہیں۔ ان کا مناظرانہ

سے منقطع حدیث کی حجیت اور اس کی تفصیلات پوچھتا ہے۔ وہ جواب دیتے ہیں کہ منقطع حدیث کی مختلف صورتیں ہو سکتی ہیں۔ جو تابعی براہِ راست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث منقطعاً روایت کرے، اس میں ہمیں بہت سی باتیں دیکھنا ہوں گی۔ مثلاً یہ کہ اگر اسی کے ہم معنی روایت معتبر حفاظِ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے ہیں تو یہ صحت روایت کی دلیل ہے۔ اگر اس کی تائید ثقات وحفاظ حدیث کی متصل روایت سے نہیں ہوتی۔ تو پھر یہ دیکھیں گے کہ اس کی توثیق دوسرے معتبر راویوں کی مرسل روایت سے ہوتی ہے یا نہیں، اگر ہوتی ہے تو اس کو قبول کیا جائے گا لیکن اس کی حیثیت پہلی صورت سے ضعیف ہو گی۔ اگر ممکن ہو تو صحابہ کے اس موضوع پر ایسے اقوال دیکھیں گے جو انہوں نے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے نقل کئے ہوں۔ اگر یہ منقطع حدیث آپ کے کسی قول کے موافق ہے، تو یہ سمجھا جائے گا کہ اس مرسل حدیث کی کوئی صحیح اصل ضرور ہے۔ اسی طرح اگر عام اہلِ علم بھی اسی طرح فتوی دیتے ہوں جو اس مرسل حدیث سے نکلتا ہے، بشرطیکہ مجہول اور نامعتبر نہ ہوں۔ تو یہ بھی مرسل کی صحت کی دلیل ہے۔

امام شافعی اگرچہ مذکورہ بالا شرائط کے ساتھ منقطع و مرسل احادیث کو مانتے ہیں، تاہم وہ ان کو ضعیف سمجھتے ہیں، اور ان کو وہ درجہ نہیں دیتے جو متصل سند والی احادیث کا ہے۔ اس کی وجہ وہ یہ بتاتے ہیں کہ ہو سکتا ہے کہ راوی نے کسی نامعتبر راوی سے یہ حدیث لے لی ہو، اور جب اس کا نام سامنے آئے تو وہ غیر ثقہ نکلے۔ اسی طرح اگر کسی مرسل حدیث کی تائید دوسری مرسل روایت سے ہوتی ہو، تو اس میں یہ احتمال ہے کہ دونوں کا ماخذ ایک ہی ہو، اور جب اس کا نام معلوم ہو تو ممکن ہے اہل علم اس کی روایت کو قبول نہ کریں۔ ایسے ہی اگر کسی صحابی کے قول سے مرسل حدیث کی تائید ہوتی ہو تو یہ بھی اس کی صحت کی دلیل نہیں ہے، کیوں کہ اس میں یہ امکان ہے کہ راوی سے صحابی کا قول سمجھنے میں غلطی ہوئی ہو۔ اور یہی احتمال فقہاء کی رائے کے ساتھ موافقت میں بھی باقی رہتا ہے۔

مذکورہ بالا اصول و قواعد ان کبار تابعین کی مرسل روایتوں کے بارے میں ہیں جن کو صحابہ کے ساتھ رہنے کا کافی موقع ملا ہو۔ رہے صغار تابعین یا ان کے بعد کے لوگ تو امام شافعی ان کی مرسل روایتیں قطعاً ماننے کے لئے تیار نہیں۔ اس کی وہ چند وجہیں بتلاتے ہیں۔ اوّل یہ کہ وہ رواۃ سے حدیث اخذ کرنے میں محتاط نہیں تھے، دوم یہ کہ ایسے دلائل بھی ملے ہیں کہ جن راویوں سے انہوں نے حدیث نقل کی تھی، وہ ضعیف تھے۔ سوم یہ کہ ان کی روایتوں میں اختلاف پایا جاتا ہے اور کثرت اختلاف کی صورت میں جس راوی سے حدیث لی ہے اس کے ضعف و وہم کا

امکان ہے ۔ مرسل احادیث میں ان شبہات اور حزم و احتیاط کی وجہ وہ یہ بتلاتے ہیں کہ بہت سی احادیث کو انہوں نے جانچا اور ان میں بہت سی کمزوریاں پائیں۔ نیز یہ کہ اُن کے دَور میں راویوں نے تساہل سے کام لینا شروع کر دیا تھا۔ انہیں مرسل احادیث میں بعض ایسی روایتیں بھی ملیں جن کے رواۃ کی ان سے بہتر روایات تک اہلِ علم نے قبول نہیں کی تھیں۔ اس کے علاوہ انہیں بعض مثالیں ایسی بھی ملیں جن میں راوی نے اپنے ہم خیال ضعیف راوی کی حدیث قبول کر لی تھی، اور اپنے مخالف ثقہ راوی کی حدیث نہیں لی تھی (۱۱)۔

یہ بات تعجب خیز ہے کہ امام شافعی نے اُصول حدیث کے سلسلہ میں اتصال سَند پر انتہائی زور دیا ہے، لیکن اپنی تصانیف میں وہ ایسی احادیث کثرت سے روایت کرتے ہیں، جن کی سَند منقطع ہے۔ متعدد مقامات پر وُہ یہ کہہ کر سَند شروع کرتے ہیں کہ ایک ثقہ راوی نے ہم سے یہ بیان کیا، اور راوی کا نام نہیں لیتے (۱۲)۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اتصالِ سند کا معیار محض رسمی تھا، اس پر وہ خود بھی سختی سے عمل نہ کر سکے۔

ہمارا خیال ہے کہ امام شافعی نے منقطع و مرسل احادیث کو جانچنے کے یہ اصول اس لئے تفصیل سے بتائے کہ ان سے پہلے متصل سَند سے روایت کا رواج نہیں تھا۔ موطا مالک، موطا محمد، کتاب الآثار، کتاب الخراج اور اسی قسم کی دوسری اس دَور کی تصانیف سے معلوم ہوتا ہے کہ منقطع و مرسل روایات کو عام طور پر قبول کیا جاتا تھا، امام شافعی نے درحقیقت عام روش سے ہٹ کر ایک نیا اُصول پیش کیا۔ اور سَند کو حدیث کی صحت کا معیار بنایا۔ ان کے بعد سے خبر الواحد کے رواج کے ساتھ ساتھ اتصال سند پر بھی زور دیا جانے لگا۔ یہ بات قابلِ لحاظ ہے کہ سَند حدیث کو پرکھنے کا ایک جزوی معیار بن سکتی ہے، لیکن متن پرکھنا اس سے کم اہمیت نہیں رکھتا۔ قرون وسطیٰ میں متن کو جانچنے کے بھی اصول وضع کئے گئے، لیکن تاریخیت کو زیادہ اہمیت نہیں دی گئی۔ اسی لئے حدیث کے مجموعوں میں بعض ایسی احادیث نظر آتی ہیں جن پر تاریخی طور پر شبہات کئے جاتے ہیں۔

ہمارے خیال میں امام شافعی سے پہلے اتصالِ سَند پر اس لئے زور نہیں تھا کہ متقدمین کے نزدیک وہ حدیث زیادہ صحیح و قوی مانی جاتی تھی جو عام طور پر معروف ہو اور لوگ اس پر عمل کر رہے ہوں۔ اسی کو امام ابو یوسف السنۃ المعروفہ اور ان کے بعض معاصرین السنۃ المجتمع علیہا کہتے ہیں۔ اس سلسلہ میں ہم یہاں ابن قاسم (متوفی ۱۹۱ھ) کا ایک حدیث پر تبصرہ پیش کرتے ہیں جس سے اس دَور میں حدیث کے اخذ و قبول کے معیار پر روشنی پڑتی ہے، ولی کی اجازت سے عورت کے نکاح کے سلسلہ میں جو متضاد روایتیں ملتی ہیں۔ ان میں سے ایک روایت یہ

تبصرہ کرتے ہوئے وہ کہتے ہیں :۔

قد جاء هذا الحديث ولو صحبه عمل حتى يصل ذلك الى من عنه اخذنا وادركنا وعمن ادركوا لكان الاخذ به حقا، ولكنه كغيره من الاحاديث مما لم يصحبه عمل وقد روى عن النبى صلى الله عليه وسلم فى الطيب فى الاحرام وما جاء عنه عليه السلام انه قال: لا يزنى الزانى حين يزنى وهو مومن ولا يسرق وهو مومن وقد انزل الله حده على الايمان وقطعه على الايمان وروى عن غيره من اصحابه اشياء ثم لم تستند ولم تقو وعمل بغيرها واخذ عامة الناس والصحابة بغيرها فبقى الحديث غير مكذب به ولا معمول به، وعمل بغيره مما صحبته الاعمال واخذ به، تابعوا اصحاب النبى صلى الله عليه وسلم من الصحابة واخذ من التابعين على مثل ذلك من غير تكذيب ولا رد وروى فيترك ما ترك العمل به ولا يكذب به ويعمل بما عمل به ويصدق به (۱۳)

ترجمہ :۔ یہ حدیث ہمارے پاس ضرور پہنچی ہے، اگر ساتھ ہی ہمیں اس حدیث پر ان لوگوں سے عمل بھی پہنچتا جن سے ہم نے اور انہوں نے یہ روایت لی ہے، تو اس کو قبول کرنا ٹھیک ہوتا۔ لیکن دوسری احادیث کی طرح اس کے ساتھ بھی عمل مروی نہیں ہے۔ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے احرام کے وقت خوشبو لگانے کے بارے میں بہت سی احادیث مروی ہیں۔ اسی طرح آپ سے یہ روایت بھی نقل کی جاتی ہے کہ آپ نے فرمایا: کوئی زانی جب زنا کرتا ہے تو حالتِ زنا کے وقت وہ مومن نہیں رہتا، اور کوئی چور جب چوری کرتا ہے تو سرقہ کی حالت میں وہ مومن نہیں رہتا۔ (حالاں کہ یہ قرآن کے مخالف ہے) کیوں کہ خدا نے ایمان کی وجہ سے ہی اس پر حد مقرر فرمائی ہے، اور ایمان کی بنیاد پر ہی ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا ہے۔ اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ سے ایسی بہت سی چیزیں مروی ہیں، لیکن ان کو عمل سے تقویت حاصل نہ ہو سکی۔ اس لئے ان کے علاوہ دوسری چیزوں پر اُمت کا عمل رہا۔ عامۃ الناس اور دوسرے صحابہ نے ان روایتوں کے علاوہ دوسری چیزوں کو قبول کیا۔ لیکن اس قسم کی روایتیں اپنی جگہ باقی رہیں، ان کو نہ کسی نے جھٹلایا اور نہ ہی ان پر عمل کیا۔ اور عمل ان روایتوں پر کیا جن پر عمل چلا آرہا تھا۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے صحابہ سے تابعین نے ان روایتوں کو لیا اور ان سے آگے کے لوگوں نے روایت کیا، لیکن نہ اس کی تکذیب کی اور نہ ہی رد کیا۔ بلکہ روایت جاری ہے۔ اس لئے جس روایت پر عمل نہ ہو اس کو چھوڑ دیا جائے گا،

لیکن اس کی تکذیب نہیں کی جائے گی۔ اور اس روایت پر عمل ہوگا جس پر عمل چلا آرہا ہے اور اس کی تصدیق بھی کی جائے گی۔

اس اقتباس سے حدیث کے ساتھ متقدمین کا طرزِ عمل واضح ہوتا ہے۔ اور ان کا یہ معیار بظاہر امام شافعی کے معیار سے زیادہ معقول نظر آتا ہے۔ اسناد بلاشبہ مسلمانوں کا شاندار کارنامہ ہے (۱۴)۔ اور اس کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ قرونِ اُولیٰ کے مسلمانوں نے اس کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا، اور اس کے پرکھنے کا حق ادا کر دیا۔ لیکن ابھی متن کا حصہ تشنہ ہے، جس پر مزید کام کرنے کی ضرورت ہے۔

صحیح حدیث کی موجودگی کی صورت میں امام شافعی قطعاً اس کے خلاف ہیں کہ کسی صحابی کا اثر یا کسی تابعی کا قول مانا جائے۔ اس پر یہ اعتراض ہو سکتا تھا کہ بعض اوقات خود محدثین سے حدیث کی روایت میں غلطی ہو جاتی ہے، اس لئے یہ کس طرح سمجھا جائے کہ ہر حالت میں حدیث ہی قابلِ عمل ہے، امام شافعی اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ حدیث اور آثار دونوں ہی ہمیں روایت کے ذریعہ پہنچتے ہیں، لیکن دونوں میں فرق یہ ہے کہ حدیث کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے صحابہ روایت کرتے ہیں اور آثار کو تابعین۔ اس لئے ہم ایک اعلیٰ ماخذ کو چھوڑ کر ادنیٰ کو کیوں اختیار کریں۔ نیز یہ کہ صحیح معنوں میں حجت تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا قول ہی ہے، نہ کہ دوسروں کی آراء اور اقوال (۱۵)۔ متقدمین فقہاء کے نقطۂ نظر کے خلاف ان کا خیال یہ ہے کہ حدیث فی نفسہٖ حجت ہے، اس کو عمل سے تقویت کی ضرورت نہیں۔ وہ ان لوگوں پر اعتراض کرتے ہیں جو علم ادنیٰ ماخذ (آثار) سے حاصل کرتے ہیں، حالاں کہ علم اعلیٰ ماخذ (حدیث) سے حاصل کرنا چاہیئے (۱۶)۔

قدیم مکاتبِ فقہ میں رائے اور روایت کا امتزاج تھا، بلکہ رائے کا عنصر کچھ غالب ہی نظر آتا ہے۔ امام شافعی نے خبر الواحد کی حجیت کو ثابت کر کے رائے کی شدید مذمت کی۔ اور اس کے مقابلے میں اخبار احاد کو اپنا فقہی ماخذ بنایا۔ اپنے معاصر فقہاء کے ساتھ ان کے مناظرے اس کی نشاندہی کرتے ہیں کہ قدماء کے فقہ میں طرزِ استدلال سے۔ جس میں رائے غالب تھی اور احادیث پر عقلی تنقید بھی شامل تھی۔ وہ ناخوش ہیں، اور ان کے حدیث پر تنقیدی رجحان کو پسند نہیں کرتے۔ ان کا موقف یہ تھا کہ اگر حدیث صحیح ثابت ہو جائے (غالباً صرف اسناد کی رو سے) تو اس کو بلا چون وچرا تسلیم کر لیا جائے۔ اہلِ مدینہ کو وہ یہ کہہ کر الزام دیتے ہیں کہ حدیث کے جس حصے پر تم چاہتے ہو، عمل کرتے ہو، اور جس حصے کو چاہتے ہو چھوڑ دیتے ہو، اس لئے تمہارے حدیث کو روایت کرنے سے کیا فائدہ؟ (۱۷)۔ ان کا خیال ہے کہ اہلِ مدینہ جو تعامل مدینہ پر زور دیتے ہیں، وہ بے معنی ہے کیوں کہ انہوں نے اپنی

رائے اور اپنے اقوال کا نام عمل اہلِ مدینہ رکھا ہوا ہے، اور جب یہ کہتے ہیں کہ فلاں مسئلہ پر اہلِ مدینہ کا عمل ہے یا اجماع ہے، اس سے مراد محض ان کے اپنے اقوال ہوتے ہیں (١٨)۔ چوں کہ قدیم مکاتبِ فقہ میں حدیث اور رائے کی ایک کُل کی سی حیثیت تھی، اور دونوں ملے جلے ماخذ تھے۔ حدیث پر شدید ظاہری اور لفظی (جس پر امام شافعی زور دیتے ہیں) عمل نہیں تھا، اس طرزِ فکر نے ان کو حدیث کی حمایت اور اس کی تائید پر اُبھارا۔ چنانچہ اہلِ مدینہ کو وہ الزام دیتے ہیں کہ ان کا حدیث پر عمل بہت کم ہے:

وما ترکتم منه (الحديث) کثير في قليل ما رويتم (١٩)۔

یعنی اوّل تو تم نے حدیث روایت ہی بہت کم کی ہے، اور (عمل میں) اسی کم کا بھی بہت حصہ چھوڑ دیا ہے۔

ہمارا خیال ہے کہ اہلِ ظاہر کی طرح فقہی اور قانونی مسائل میں حدیث پر بالکل ظاہری اور لفظی عمل نہیں کیا جا سکتا۔ اس کی تعبیر اور اطلاق میں ہمیں عقل ورائے سے کام لینا ہوگا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن مجید کی آیات کی بہ نسبت احادیث کا سیاق اور شانِ ورود کم معلوم ہے۔ حدیث ہمارے سامنے ایک کلیہ اور قانون کی شکل میں آتی ہے، اور اس کا پس منظر عام طور پر وہاں بیان نہیں کیا جاتا۔ مثلاً غسل جمعہ کی حدیث کو اگر ظاہری طور پر سمجھا جائے تو اس سے وجوب نکلتا ہے کیوں کہ اس کے الفاظ یہ ہیں: غسل يوم الجمعة واجب على كل محتلم۔ لیکن امام شافعی ہی نے اس کے سیاق وپس منظر پر تفصیل سے بحث کی ہے۔ اور بتایا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں لوگ اپنے اپنے کاموں سے آکر اسی ہیئت میں نماز میں شریک ہو جاتے تھے۔ ان سے لوگوں کی کراہت اور ایذا کے پیشِ نظر آپؐ نے ان کو غسل کا حکم دیا تھا (٢٠)۔ اس لئے امام شافعی کے نزدیک غسل جمعہ اختیاری ہے (٢١)۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگرچہ امام شافعی حدیث پہ ظاہری اور بے چون وچرا عمل کرنے پر زور دیتے ہیں، لیکن وہ خود کثرت سے احادیث کی تعبیر میں عقل ورائے سے کام لیتے ہیں۔ متقدمین فقہاء کی طرح ان کے یہاں بھی أرایت اور الا تری کا استعمال کثرت سے ملتا ہے۔ متعدد مقامات پر وہ اپنے مخالفین کی دلیل یہ کہہ کر رد کرتے ہیں کہ وہ سنت، آثار اور عقل کے خلاف ہے (٢٢)۔ پانی کی طہارت کے مسئلہ میں وہ اہلِ عراق پر شدید عقلی اعتراضات کرتے ہیں اور ان کا عراقی مناظر یہ اعتراف کرتا ہے کہ اہلِ حجاز کا مسلک اس بارے میں اہلِ عراق سے زیادہ بہتر ہے۔ (٢٣)۔ ثمن کلب کے مسئلہ میں وہ اہلِ مدینہ اور اہلِ عراق پر عقلی نکتہ چینی کرتے ہیں، اہلِ مدینہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث روایت کرتے ہیں جس میں آپؐ نے کتے کو فروخت کرنے سے منع فرمایا ہے۔ اسی کے ساتھ ساتھ ان کا مسلک یہ بھی ہے کہ اگر کوئی شخص دوسرے آدمی کا کتا ہلاک کر دے

تو اس کو اس کی قیمت ادا کرنا پڑے گی۔ اہلِ عراق اس حدیث کو تسلیم نہیں کرتے جس میں کتے کو فروخت کرنے کی ممانعت آئی ہے۔ ان کے نزدیک کتا بھی عام جانوروں کی طرح فروخت کیا جا سکتا ہے۔ ان دونوں نقطہ ہائے نظر کا امام شافعی مقابلہ کرتے ہیں اور اہلِ عراق کے بارے میں وہ یہ کہتے ہیں کہ اہلِ عراق جس بات کو کہتے ہیں سوچ سمجھ کر کہتے ہیں۔ ان کو ہم صرف اس حدیث کو نہ ماننے کا الزام دے سکتے ہیں جس کو اہل مدینہ روایت کرتے ہیں۔ اہل مدینہ کے بارے میں وہ یہ کہتے ہیں کہ وہ جس حدیث کو روایت کرتے ہیں، خود اس پر عمل نہیں کرتے۔ کتے کی زندگی میں جب اس سے انسان کو فائدہ پہنچتا ہے، اس کی خرید و فروخت ان کے نزدیک ناجائز ہے۔ لیکن جب وہ مرجاتا ہے اور اس کی منفعت ختم ہو جاتی ہے، تو اس کی قیمت کو جائز سمجھتے ہیں (۲۴)۔ ان مثالوں سے ہمیں یہ دکھانا مقصود ہے کہ امام شافعی اصولی طور پر عقل و رائے کے استعمال کے خلاف نہیں تھے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کا خیال یہ تھا جب کوئی حدیث صحیح ثابت ہو جائے تو اس کو بے چون و چرا تسلیم کر لینا چاہیئے۔ ذیل میں ہم ان کا ایک قول نقل کرتے ہیں، جس سے اس موضوع پر ان کا نقطۂ نظر آسانی سے سمجھ میں آتا ہے، فرماتے ہیں:۔

قلت: ان اللّٰہ تعبد خلقہ فی کتابہ وعلی لسان نبیہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم بما شاء، ولامعقب لحکمہ؛ فعلی الناس اتباع ما امروا بہ ولیس لھم فیہ الا التسلیم۔ وکیف انما تکون فی قول الآدمیین الذین یکون قولھم متبعا لامتبوعا۔ ولو جاز فی القول اللازم کیف حتی یحمل علی قیاس او فطنۃ عقل لم یکن للقول غایۃ ینتھی الیھا واذا لم یکن غایۃ ینتھی الیھا بطل القیاس (۲۵)۔

ترجمہ: خدا نے اپنی کتاب میں اور اپنے نبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم کی زبان سے اپنی مخلوق کو جیسے چاہا احکام دیئے، لوگوں کو جو احکام دیئے گئے ہیں، ان کی اتباع کرنا اور ان کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنا ان کا فرض ہے۔ چون و چرا (کیف) تو انسانوں کی بات میں ہوتا ہے جو تابع ہوتی ہے نہ کہ متبوع، اگر ایسی بات میں بھی جس کا ماننا لازمی ہے چون و چرا (کیف) چلنے لگے، مثلاً اس کو قیاس پر محمول کریں، یا اس میں عقل و ذہانت چلائیں تو وہ بات پھر کہیں بھی جا کر نہ ٹھہرے گی۔ جب اس کو کوئی منتہی ہی نہ ہو تو پھر قیاس باطل ہوگا۔

امام شافعی نے بے چون و چرا حدیث پر عمل کا اصول ضرور پیش کیا لیکن بعض مسائل سے معلوم ہوتا ہے کہ اس پر وہ خود بھی سختی سے عمل نہ کر سکے۔ ذمی کے قتل پر مسلمان سے قصاص لینے کے مسئلہ میں وہ اہلِ عراق سے اختلاف کرتے ہیں۔ اہلِ عراق ایک حدیث پیش کرتے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان سے قصاص لینا چاہیئے۔ اور امام شافعی بھی ایک حدیث سے استدلال کرتے ہیں جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ قصاص نہیں لینا چاہیئے۔ ان دو

متضاد حدیثوں میں سے ایک کو ترجیح دینے کے لئے وہ عقل و قیاس کو کام میں لاتے ہیں ۔ اہلِ عراق کی حدیث ان کے نزدیک مرجوح ہے ۔ کیوں کہ بہت سے معاملات میں اسلام نے مسلمان اور کافر کے درمیان امتیاز قائم رکھا ہے، اور ان دونوں کو ہر معاملہ میں مساوی درجہ نہیں دیا ۔ مثلاً مسلمان کو مالِ غنیمت میں سے حصہ ملتا ہے، لیکن کافر اگر جنگ میں شریک ہو کر مسلمانوں کے ساتھ لڑے تب بھی اس کو غنیمت میں سے حصہ نہیں ملتا ۔ اسی طرح کافر سے جزیہ وصول کیا جاتا ہے، جو اس کے لئے ذلت کا باعث ہے، اس کے برخلاف مسلمان سے زکوٰۃ لی جاتی ہے جو اس کی پاکیزگی کا سبب ہے ۔ ایسے ہی کوئی کافر کسی مسلمان عورت سے شادی نہیں کر سکتا ۔ لیکن ایک مسلمان کتابیہ سے شادی کر سکتا ہے (۲۵) ۔ اسی طرح ایک دوسرے موقع پر وہ اپنی حدیث کو فریق مخالف کی حدیث کے مقابلہ میں یہ کہہ پیش کرتے ہیں کہ ہماری یہ حدیث عام اہلِ علم کی رائے اور قیاس کے زیادہ قریب ہے (۲۷) ۔ اس قسم کے چند مسائل کے علاوہ امام شافعی کا عام رجحان یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ حدیث پر بلا تنقید و چوں و چرا عمل کرتے ہیں ۔ حدیث مصراۃ پر اہلِ عراق عقلی اعتراض کرتے ہیں اس لئے ان کا اس کے ظاہری الفاظ پر عمل نہیں ہے ۔ امام شافعی ان کو یہ جواب دیتے ہیں کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی اتباع کرنا ہے ۔ یہاں ہم قیاس سے کام نہیں لیں گے (۲۸) ۔ (باقی)

حواشی و حوالجات

۱ ۔ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ امام شافعی سے پہلے بعض محدثین نے اصول حدیث وضع کئے تھے، لیکن اب نہ ان کی کتابیں موجود ہیں، اور نہ ان کی تفصیلات ہی ہمیں ملتی ہیں ۔ امام شافعی کی کتاب الرسالہ اگرچہ اصول حدیث کی کتاب نہیں ہے، لیکن اس میں انھوں نے مختلف مقامات پر حدیث پرکھنے اور خبر الواحد کی روایت کے جو اُصول بیان کئے ہیں ان کے پیشِ نظر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس فن میں بھی ان کو تقدم حاصل ہے ۔

۲ ۔ امام شافعی ۔ الرسالہ ۔ مطبوعہ قاہرہ ۱۳۲۱ھ ص ۵۱ ۔

۳ ۔ ایضاً ص ۸۲ ۔

۴ ۔ ابن قتیبہ نے اپنی کتاب تاویل مختلف الحدیث میں اہل الکلام کے اعتراضات اور متضاد احادیث کے جوابات تفصیل سے نقل کئے ہیں ۔

۵ - امام شافعی - الرسالہ - محولہ بالا ایڈیشن - ص ۳۹ - ۴۰ -

۶ - ایضاً - ص ۳۸ - ۳۹ - (۷) ایضاً - ص ۴۰ - ۴۱ -

۸ - ایضاً - ص ۲۰ - ۲۲ - ۲۳ و مابعد -

۹ - ابو یوسف - الرد علی سیر الاوزاعی - مطبوعہ قاہرہ، سنہ طباعت درج نہیں - ص ۲۵ - یہ واضح رہے کہ ابو یوسف نے جس حدیث کو پیش کیا ہے اس کے بارے میں بعض محدثین کا خیال ہے کہ یہ زنادقہ کی وضع کردہ ہے - لیکن کچھ محدثین ان سے اختلاف بھی کرتے ہیں - ملاحظہ ہو مصطفےٰ السباعی - السنۃ و مکانتھا فی التشریع الاسلامی، مطبوعہ قاہرہ ۱۳۸۰ھ - ص ۹۶ - ۹۷ -

۱۰ - امام شافعی - الرسالہ - محولہ بالا ایڈیشن - ص ۲۲ - ۲۳ - نیز دیکھئے کتاب الام - مطبوعہ قاہرہ ۱۳۲۵ھ - ج ۷ ص ۲۰۸ - ۲۱۰ -

۱۱ - ایضاً - ص ۶۳ - ۶۴ -

۱۲ - ایضاً - ص ۶۴ - کتاب الام - محولہ بالا ایڈیشن - ج ۷ - ص ۲۹۴ - ۲۹۷ - نیز ملاحظہ ہو، امام شافعی، اختلاف الحدیث برحاشیہ کتاب الام - ج ۷ - ص ۶۱ - ۸۸ - ۹۰ - ۹۵ - ۱۷۵ وغیرہ -

۱۳ - سحنون التنوخی - المدونۃ الکبریٰ - مطبوعہ قاہرہ ۱۳۲۳ھ - ج ۴ - ص ۲۸ -

۱۴ - پروفیسر سائمن وانڈن برگ نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ اسناد کے سلسلہ میں مسلمان یونانی فلسفہ تجربیت (EMPIRICISM) کے اصولوں سے متاثر ہیں، کیوں کہ ان کے یہاں بھی کسی خبر کو پرکھنے کا اسی قسم کا معیار مقرر تھا - ملاحظہ ہو حواشی تہافت التہافت - ترجمہ انگریزی، مطبوعہ لندن - ۱۹۵۴ء - ص ۱۶ -

(SIMON VANDON BERG, AVERROCS TAHAFUT-AL-TAHAFUT LONDON 1954, VOL. II, P. 16)

۱۵ - امام شافعی، کتاب الام - محولہ بالا ایڈیشن - ج ۷، ص ۱۷۹ - والحجۃ ما قالہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دون ما قال غیرہ -

۱۶ - ایضاً - ص ۲۴۶ - وانما یوخذ العلم من اعلی و بعض ما ذھبتم الیہ خلاف ھذا، ذھبت الی اخذ العلم من اسفل -

۱۷۔ ایضاً۔ ص ۲۴۲۔ ولا علمک تدری لای شئی تحمل الحدیث اذا کنت تاخذ منه ما شئت وتترک منه ما شئت ورویت عن النبی صلی اللہ علیه وسلم لم تعتمد اعلی امر تعرفونه۔

۱۸۔ ایضاً۔ ص ۲۴۰۔

۱۹۔ ایضاً۔ ص ۲۴۰۔

۲۰۔ امام شافعی۔ الرسالہ۔ محولہ بالا ایڈیشن۔ ص ۴۳ - ۴۴۔

۲۱۔ ایضاً۔ نیز کتاب الأم۔ محولہ بالا ایڈیشن۔ ج ۱۔ ص ۲۲۔

۲۲۔ امام شافعی۔ کتاب الام۔ محولہ بالا ایڈیشن۔ ج ۷۔ ص ۱۹۰۔

۲۳۔ امام شافعی۔ اختلاف الحدیث۔ برحاشیہ کتاب الام ج ۷۔ ص ۱۱۶ - ۱۲۱۔

۲۴۔ امام شافعی۔ کتاب الام۔ محولہ بالا ایڈیشن۔ ج ۷۔ ص ۲۰۵ - ۲۰۶۔

۲۵۔ امام شافعی۔ اختلاف الحدیث برحاشیہ کتاب الام ج ۷۔ ص ۲۳۹ - ۲۴۰۔

۲۶۔ امام شافعی۔ کتاب الام۔ محولہ بالا ایڈیشن۔ ج ۷۔ ص ۲۹۱ - ۲۹۲۔

۲۷۔ امام شافعی۔ اختلاف الحدیث برحاشیہ کتاب الام ج ۷۔ ص ۲۱۸ - ۲۲۱۔

۲۸۔ امام شافعی۔ الرسالہ۔ محولہ بالا ایڈیشن۔ ص ۷۶ - ۷۷۔

وقلنا فی المصراة إتباعا لامر رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم ولم نقس علیه۔